

ہم نے تمہیں عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرا دیا (اور چونکہ کر دیا) ہے۔^(۱) جس دن انسان اپنے ہاتھوں کی کمائی کو دیکھ لے گا^(۲) اور کافر کہے گا کہ کاش! میں مٹی ہو جاتا۔^(۳) (۳۰)

سورہ نازعات مکی ہے اور اس میں چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

- ذوب کر سختی سے کھینچنے والوں کی قسم! (۱)
بند کھول کر چھڑا دینے والوں کی قسم! (۲)
اور تیرے پھرنے والوں کی قسم! (۳)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلٰٓاِبًا قَرِيْبًا ۙ يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَعُوْلُ الْكَافِرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ شُرْبًا ۙ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّزِعَاتِ عَرْقًا ۙ
وَالنَّشِطَاتِ نَسْطًا ۙ
وَالسَّجِيَّاتِ سَجِيًّا ۙ

ٹھکانہ مل جائے۔

(۱) یعنی قیامت والے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے۔ کیوں کہ اس کا آنا یقینی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے، کیوں کہ بہر صورت اسے آکر ہی رہنا ہے۔

(۲) یعنی اچھایا برا، جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا وہ اللہ کے ہاں پہنچ گیا ہے، قیامت والے دن وہ اس کے سامنے آجائے گا اور اس کا مشاہدہ کر لے گا ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا﴾ (الکہف، ۳۹) ﴿يُنْتَبِئُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ﴾ (القیامہ، ۳۳)

(۳) یعنی جب وہ اپنے لیے ہولناک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا، حتیٰ کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی، تو اس کا بھی بدلہ دلائے گا اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا کہ مٹی ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۴) نَزَعَ کے معنی، سختی سے کھینچنا، عَرَقًا ذوب کر۔ یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے فرشتے کافروں کی جان، نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ذوب کر۔

(۵) نَسَطُ کے معنی، گرہ کھول دینا۔ یعنی مومن کی جان فرشتے بہ سہولت نکالتے ہیں، جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔

(۶) سَبَّحَ کے معنی، تیرنا، فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے خواص سمندر سے موتی نکالنے کے لیے سمندر کی گہرائیوں میں تیرتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ کا حکم لے کر

پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی قسم! (۳)
 پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی قسم! (۵)
 جس دن کانپنے والی کانپے گی۔ (۶)
 اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی (پیچھے پیچھے) آئے
 گی۔ (۷)

(ہمت سے) دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔ (۸)
 جن کی نگاہیں نیچی ہوں گی۔ (۹)
 کہتے ہیں کہ کیا ہم پہلی کی سی حالت کی طرف پھر لوٹائے
 جائیں گے؟ (۱۰)
 کیا اس وقت جب کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں

فَالشَّيْطَانُ سَبْقًا ۝
 فَاَلْمُنْذِرَاتِ اَمْرًا ۝
 يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝
 تَتَّبِعَهَا الَّتِي رَدِفَتْهَا ۝

قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِعَةٌ ۝
 اَبْصَارًا حَاشِعَةً ۝
 يَقُولُونَ ءَاِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝
 ءَاِنَّا لَمَّا كُنَّا عِظَامًا تَاجِرَةً ۝

آسمان سے اترتے ہیں۔ کیوں کہ تیز رو گھوڑے کو بھی سانحہ کہتے ہیں۔

(۱) یہ فرشتے اللہ کی وحی، انبیاء تک، دوڑ کر پہنچاتے ہیں تاکہ شیطان کو اس کی کوئی سن گن نہ ملے۔ یا مومنوں کی روحمیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت سے کام لیتے ہیں۔

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ جو کام ان کے سپرد کرتا ہے، وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں اصل مدبر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انہیں بھی مدبر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جو اب قسم محذوف ہے یعنی ﴿لَتُبْعَثُنَّ﴾ لَتُبْعَثُنَّ رَبِّ بِمَا عَمِلْتُمْ ﴿﴾ ”تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے اور تمہیں تمہارے عملوں کی بابت خبر دی جائے گی۔“ قرآن نے اس بعث و جزاء کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے جیسے سورہ تعابین، ۷ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر مذکورہ الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بعث و جزا کب ہوگی؟ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔

(۳) یہ نْفِثَةٌ اولیٰ ہے جسے نْفِثَةٌ ناکتے ہیں، جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ (۴) یہ دوسرا نْفِثَةٌ ہو گا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نْفِثَةٌ پہلے نْفِثَةٌ سے چالیس سال بعد ہو گا۔ اسے رَادِفَةٌ اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نْفِثَةٌ کے بعد ہی ہو گا۔ یعنی نْفِثَةٌ ثانیہ، نْفِثَةٌ اولیٰ کا ردیف ہے۔ (۵) قیامت کے احوال اور شدائد سے۔

(۶) یعنی اَبْصَارًا اَصْحَابِهَا، ایسے دہشت زدہ لوگوں کی نظریں بھی (بجز مومنوں کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔ (۷) حَافِرَةٌ، پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرین قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیشتر تھے؟

گے؟ (۱۱)

کہتے ہیں کہ پھر تو یہ لوٹنا نقصان دہ ہے۔ (۱۲)
(معلوم ہونا چاہیے) وہ تو صرف ایک (خونفاک)
ڈانٹ ہے۔ (۱۳)

کہ (جس کے ظاہر ہوتے ہی) وہ ایک دم میدان میں جمع
ہو جائیں گے۔ (۱۴)

کیا موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر تمہیں پہنچی ہے؟ (۱۵)
جب کہ انہیں ان کے رب نے پاک میدان طوئی میں
پکارا۔ (۱۶)

(کہ) تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی اختیار کر لی
ہے۔ (۱۷)

اس سے کہو کہ کیا تو اپنی درستگی اور اصلاح چاہتا ہے۔ (۱۸)
اور یہ کہ میں تجھے تیرے رب کی راہ دکھاؤں تاکہ تو اس

قَالُوا يَا لَيْلَ وَإِنَّمَا لَكِ إِذَا كُنَّا عَايِسُونَ ﴿۱۱﴾

فَأَنبَأَهُمْ رَبُّهُمْ بِوَجَدَةِ ﴿۱۲﴾

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۳﴾

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ﴿۱۴﴾

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ يَا لَيْلَ يَا لَيْلَ الْمُعْتَدِينَ طُوًى ﴿۱۵﴾

إِذْ هَبَّ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ﴿۱۶﴾

قَتُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزُولَىٰ ﴿۱۷﴾

وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْضَىٰ ﴿۱۸﴾

(۱) یہ انکار قیامت کی مزید تاکید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کر دیئے جائیں گے جب کہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

(۲) یعنی اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے؛ پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔

(۳) سَاهِرَةٌ سے مراد زمین کی سطح یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو سَاهِرَةٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام جانداروں کا سونا اور بیدار ہونا اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چشیل میدانوں اور صحراؤں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے، اس لیے سَاهِرَةٌ کہا جاتا ہے۔ (فتح القدر) بہر حال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفعے سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

(۴) یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا؛ جیسا کہ اس کی تفصیل سورہ ط کے آغاز میں گزری طُوًی اسی جگہ کا نام ہے؛ ہم کلامی کا مطلب نبوت و رسالت سے نوازنا ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت عطا فرمادی۔

(۵) یعنی کفر و معصیت اور تکبر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

(۶) یعنی کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطہع ہو جا۔

<p>(۱) سے ڈرنے لگے۔ (۱۹)</p> <p>پس سے بڑی نشانی دکھائی۔ (۲۰)</p> <p>تو اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ (۲۱)</p> <p>پھر پلٹا دوڑ دھوپ کرتے ہوئے۔ (۲۲)</p> <p>پھر سب کو جمع کر کے پکارا۔ (۲۳)</p> <p>تم سب کا رب میں ہی ہوں۔ (۲۴)</p> <p>تو (سب سے بلند و بالا) اللہ نے بھی اسے آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں گرفتار کر لیا۔ (۲۵)</p> <p>پیشک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے۔ (۲۶)</p> <p>کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا آسمان کا؟ (۸)</p>	<p>فَأَرَاهُمُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ۝</p> <p>مَكَدَّ بَ وَعَضَىٰ ۝</p> <p>ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ۝</p> <p>فَصَحَّرَ قُنَادَىٰ ۝</p> <p>فَقَالَ إِنَّا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۝</p> <p>فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْإِبْرَةِ وَالْأُولَىٰ ۝</p> <p>إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ ۝</p> <p>مَا أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءِ بَنِينًا ۝</p>
---	---

- (۱) یعنی اس کی توحید اور عبادت کا راستہ، تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے۔ اس لیے کہ اللہ کا خوف اسی دل میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔
- (۲) یعنی اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کئے جو اللہ کی طرف سے انہیں عطا کئے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے۔ مثلاً یذبیض اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تسعہ۔
- (۳) لیکن ان دلائل و معجزات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور محمدیہ و نافرمانی کے راستے پر وہ گامزن رہا۔
- (۴) یعنی اس نے ایمان و اطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا، چنانچہ جادو گروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا، تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جاسکے۔
- (۵) اپنی قوم کو، یا قتال و محاربہ کے لیے اپنے لشکروں کو، یا جادو گروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیت اعلیٰ کا اعلان کیا۔
- (۶) یعنی اللہ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آئندہ آنے والے متمرذین کے لیے نشان عبرت بنا دیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے، جو اسے وہاں ملے گا۔
- (۷) اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر انہوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ پکڑی تو ان کا انجام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔
- (۸) یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زجر و توبیح ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجائبات کو پیدا کر سکتا ہے، اس

تعالیٰ نے اسے بنایا۔ (۲۷)

اسکی بلندی اونچی کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ (۲۸)^(۱)

اسکی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو نکالا۔ (۲۹)^(۲)

اور اس کے بعد زمین کو (ہموار) بچھا دیا۔ (۳۰)^(۳)

اس میں سے پانی اور چارہ نکالا۔ (۳۱)

اور پہاڑوں کو (مضبوط) گاڑ دیا۔ (۳۲)

یہ سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے (ہیں) (۳۳)

پس جب وہ بڑی آفت (قیامت) آجائے گی۔ (۳۴)

جس دن کہ انسان اپنے کیے ہوئے کاموں کو یاد کرے گا۔ (۳۵)

اور (ہر) دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کی جائے گی۔ (۳۶)^(۴)

رَفَعْنَا سَنَكُمَا مَسْوِدًا ﴿۱﴾

وَأَغْطَشْنَا لَيْلَهَا وَأَخْرَجْنَا ضُحَاهَا ﴿۲﴾

وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ﴿۳﴾

أَخْرَجْنَا مِنْهَا مَاءً هَارًا وَمَرَعَهَا ﴿۴﴾

وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿۵﴾

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۶﴾

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّلَامَةُ الْكُبْرَىٰ ﴿۷﴾

يَوْمَ مَرِيَدٌ كَرُّ الْإِنْسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿۸﴾

وَبَرَزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَىٰ ﴿۹﴾

کے لیے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل ہے۔ کیا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟

(۱) بعض نے سَمَكُ کے معنی چھت بھی کیے ہیں، ٹھیک ٹھاک کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھالنا ہے کہ جس میں کوئی تفاوت، کجی، شکاف اور خلل باقی نہ رہے۔

(۲) أَغْطَشْنَا أَظْلَمَ أَخْرَجَ کا مطلب آبرِ زاور نہاڑھا کی جگہ ضَحَّهَا اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے۔ مطلب ہے کہ دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔

(۳) یہ حم السجدہ ۹ میں گزر چکا ہے کہ خَلَقَ (پیدائش) اور چیز ہے اور دَحَىٰ (ہموار کرنا) اور چیز ہے۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلی ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی پیدائش کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً زمین سے پانی نکالا، اس میں چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو میٹھوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہلے۔ جیسا کہ یہاں بھی آگے یہی بیان ہے۔

(۴) یعنی کافروں کے سامنے کر دی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا دائی ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مومن اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ اس نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی بدولت انہیں اس سے بچالیا، اور کافر جو پہلے ہی خوف و دہشت میں مبتلا ہوں گے، اسے دیکھ کر انکے غم و حسرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

تو جس (شخص) نے سرکشی کی (ہوگی)۔ (۳۷)^(۱)
 اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی (ہوگی)۔ (۳۸)^(۲)
 (اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ (۳۹)^(۳)
 ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے^(۴)
 سے ڈرتا رہا ہو گا اور اپنے نفس کو خواہش سے
 روکا ہوگا۔ (۴۰)^(۵)
 تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔ (۴۱)^(۶)
 لوگ آپ سے قیامت کے واقع ہونے کا وقت دریافت
 کرتے ہیں۔ (۴۲)^(۷)
 آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا تعلق؟ (۴۳)^(۸)
 اس کے علم کی انتہا تو اللہ کی جانب ہے۔ (۴۴)
 آپ تو صرف اس سے ڈرتے رہنے والوں کو آگاہ کرنے
 والے ہیں۔ (۴۵)^(۹)

فَأَمَّا مَنْ طَغَى ﴿۱﴾
 وَاتَّخَذَ الْعِوَاظَ الدُّنْيَا ﴿۲﴾
 فَإِنَّ الْمَجِيمَ هِيَ الْمَأْوَى ﴿۳﴾
 وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۴﴾

فَأَنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى ﴿۵﴾
 يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِمُهَا ﴿۶﴾
 فِيمَا أُنْتُمْ مِنْ ذِكْرِهَا ﴿۷﴾
 إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَىٰ ﴿۸﴾
 إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَنْ يَخْشَاهَا ﴿۹﴾

(۱) یعنی کفو و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہوگا۔

(۲) یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھا ہو گا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہوگی۔

(۳) اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا، جہاں وہ اس سے بچ کر پناہ لے لے۔

(۴) کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔

(۵) یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا ہو جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔

(۶) جہاں وہ قیام پذیر، بلکہ اللہ کا مسلمان ہوگا۔

(۷) یعنی قیامت کب واقع اور قائم ہوگی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر لنگر انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟

(۸) یعنی آپ کو اس کی بابت یقینی علم نہیں ہے، اس لیے آپ کا اس کو بیان کرنے سے کیا تعلق؟ اس کا یقینی علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

(۹) یعنی آپ کا کام صرف انذار (ڈرانا) ہے، نہ کہ غیب کی خبریں دینا، جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ نے کسی کو

جس روز یہ اسے دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہو گا کہ صرف دن کا آخری حصہ یا اول حصہ ہی (دنیا میں) رہے ہیں۔^(۱) (۳۶)

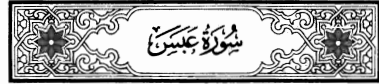
سورہ عبس کی ہے اور اس میں بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وہ ترش رو ہوا اور منہ موڑ لیا۔^(۱)

(صرف اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔^(۲)
تجھے کیا خبر شاید وہ سنور جاتا۔^(۳)
یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی۔^(۴)

كَأَنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ يُرَوُّنَهَا لَهْرًا يَكْتُمُونَ الْأَعْيُنُ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَرَأَبْتُمْ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۱

أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى ۲

وَمَا يَدْرِيكَ لَعَلَّهُ بَيَّسَى ۳

أَوْ يَدُورُ رَدْفَعُهُ الْذُّكْرَى ۴

بھی نہیں دیا ہے۔ مَنْ يَخْشَاهَا اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے، ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

(۱) عَبَسَ عَشِيَّةً ظہر سے لے کر غروب شمس تک اور ضحیٰ، طلوع شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی جب کافر جنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انہیں ایسا محسوس ہو گا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں یعنی دنیا کی زندگی انہیں اتنی قلیل معلوم ہو گی۔

☆ اس کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشرف قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی۔ چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔ (ترمذی، تفسیر سورہ عبس۔ صحیحۃ الألبانی)

(۲) ابن ام مکتوم کی آمد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، اسے عَبَسَ سے اور بے توجہی کو تَوَلَّى سے تعبیر فرمایا۔

(۳) یعنی وہ نابینا تجھ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا، اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور تیری نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔